تو یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ یہ مناہج تابعین کے عہد کے مقابلہ میں زیادہ واضح شکل میں ایک دوسرے سے ممتاز ہوجاتے ہیں اور مناہج استنباط کے متمیز ہونے کے ساتھ استنباط کے قوانین اور اس کی علامتیں نہایت اجاگر ہوجاتی ہیں اور ائمہ مجتہدین کی زبانوں پر صریح، واضح اور فنی عبارتوں میں یہ مناہج اور قوانین واشگاف ہوتے ہیں۔ ۳۵؎

اگر چہ ائمہ مجتہدین کے اجتہاد نے باہمی اختلافات کی فضا قائم کی، لیکن یہ ایک فطری عمل ہے کہ جب کوئی نئی چیز دریافت کی جاتی ہے تو اس میں باہمی اختلافات کوئی انوکھی چیز نہیں سمجھی جاتی۔ اجتہاد میں رائے کے اختلاف کی اہمیت مسلّم ہے اور اس سے قوت استدلال کے ذریعہ مسائل پر غور وخوض کرنے میں مدد ملتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں بھی بعض اجتہادی مسائل میں اختلاف ہوا ہے۔ ائمہ مجتہدین کا یہ اختلاف کبھی اصول پر نہیں ہوا، بلکہ ہمیشہ فروع میں ہوا ہے۔ اس اختلاف کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ آج ہمارے پاس فقہ اسلامی کا جس قدر ذخیرہ موجود ہے وہ شاید اس کے بغیر ممکن نہ ہوتا۔

حواشی ومراجع

۱؎ امینی، محمد تقی، اجتہاد، قدیمی کتب خانہ کراچی، س ن، ص ۲۱

۲؎ محمد ابو زہرہ، اسلامی قانون اور اجتہاد، چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر)، دفتر چراغ راہ کراچی، ج ۲، ص ۱۵۰

۳؎ صبحی محمصانی، فلسفۂ شریعت اسلام، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۷۰ئ، ص ۲۱۳

۴؎ گوہر رحمن، اجتہاد اور اوصافِ مجتہد، حرا پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۰ئ، ص ۲۰

۵؎ محمود احمد غازی، محاضراتِ فقہ، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، ۲۰۰۵ئ، ص ۳۳۱-۳۳۲

۶؎ قاسمی، مجاہد الاسلام، اسلامی عدالت، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراچی، ۱۹۹۳ئ، ص ۸۰

۷؎ محمد ابوزہرہ، اسلامی قانون اور اجتہاد، ج ۲، ص ۱۵۵

۸؎ دہلوی، شاہ ولی اللہ، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۰ئ، ص ۴۶-۴۷

۹؎ حوالہ سابق

۱۰۔ محمد ابوزہرہ، اسلامی قانون اور اجتہاد، ج ۲، ص ۱۵۰
۱۱۔ صارم، عبدالصمد، تاریخ الفقہ، مکتبہ معین الادب، لاہور، ۱۹۸۴ئ، ص ۲۰
۱۲ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب اجر الحاکم۔۔۔، ۷۳۵۲، صحیح مسلم، ۱۷۱۶
۱۳۔ محمد ابوزہرہ، اسلامی قانون اور اجتہاد، ج ۲، ص ۱۵۱۔۱۵۰
۱۴۔ متین ہاشمی، سہ ماہی منہاج (اجتہاد نمبر، ۱۹۸۳ئ)، ص ۱۲۶
۱۵۔ سنن ابوداؤد، کتاب الاقضیۃ، باب اجتہاد الرأی فی القضائ، ۳۵۹۲
۱۶۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، باب الوضوء بسور الہرۃ، ۳۶۷
۱۷۔ صحیح بخاری، کتاب الاضاحی، باب مایؤکل من لحوم الاضاحی، ۵۵۶۹، صحیح مسلم، ۱۹۷۴ء
۱۸۔ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب وجوب الحج، ۱۵۱۳؛ مسلم، ۱۳۳۴
۱۹۔ مسند احمد، ۱/ ۲۸۶
۲۰۔ امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۴۳
۲۱۔ ابن الجوزیہ، اعلام الموقعین، دار الجیل بیروت، ۱۹۷۳ئ، ج ۱، ص ۶۳
۲۲۔ محمود الحسن عارف، سہ ماہی منہاج (نفاذ شریعت نمبر) ۱۹۸۵ء، ص ۹۷
۲۳۔ ندوی، مجیب اللہ، اجتہاد اور تبدیلی احکام، چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر)، ج ۲، ص ۱۷۹
۲۴۔ امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۴۷
۲۵۔ ندوی، مجیب اللہ، اجتہاد اور تبدیلی احکام، ج ۲، ص ۱۸۲
۲۶۔ ایضاً، ص ۲۱۷
۲۷۔ سنن دارمی، ۲/ ۴۶۲
۲۸۔ ملا جیون، نور الانوار، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان، س ن، ص ۲۵۰
۲۹۔ امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۶۰
۳۰۔ ایضاً، ص ۶۸۔۶۷
۳۱۔ جمال الدین عطیہ، فقہ اسلامی کی نظریہ سازی، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، س ن، ص ۱۶
۳۲۔ امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۶۱
۳۳۔ ایضاً، ص ۶۸
۳۴۔ جمال الدین عطیہ، فقہ اسلامی کی نظریہ سازی، ص ۱۸
۳۵۔ ایضاً، ص ۱۷

☆☆☆

شیخ محمد الغزالیؒ اور ان کی تصنیف فقہ السیرۃ

ایک تعارف

ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی

شیخ محمد الغزالی عصر حاضر کے معروف عالمِ دین، داعیٔ حق، بلند پایہ مفکر، عظیم قائد، زود نویس، لیکن پختہ مصنف اور محقق تھے۔ انھوں نے جس موضوع پر قلم اٹھایا اس کا حق ادا کر دیا۔ ان کی تحریریں ندرت و ابتکار، علمیت اور اعلیٰ تحقیق کی آئینہ دار ہیں۔ وہ امام حسن البناؒ کے خاص رفقاء میں سے تھے۔ انھوں نے عرصۂ دراز تک اپنے قلم اور زبان سے دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔ عالم اسلام اور عالم عرب میں وہ فکر اسلامی کے عظیم معمار، اسلامی بیداری کے سرخیل اور تحریک اسلامی کے سرگرم رہ نما کی حیثیت سے مشہور ہیں۔

شیخ غزالی السّقا، مصر کے ضلع البُحیرہ کے ایک گاؤں میں ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنے گاؤں میں قرآن مجید حفظ کیا اور ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اسکندریہ کے معہد علمی سے ثانوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد جامعہ ازہر میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۳ء میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ انھوں نے بڑی ریاضت اور شوق سے حصول علم کی منزلیں طے کیں اور بہت جلد قدیم و جدید علوم میں سے کئی ایک میں کمال اور غیر معمولی مقام حاصل کرلیا۔ وہ دین کی تبلیغ اور مسلمانوں کی اصلاح کے جذبہ سے سرشار تھے۔ اس لیے مصر اور عالم عرب کی ممتاز اسلامی تحریک 'الاخوان المسلمون' میں شمولیت اختیار کرلی اور اس میں بڑی سرگرمی اور تندہی سے کام کیا۔ وہ بہت اچھے خطیب تھے۔ ان کے خطبات میں دلائل و براہین کے ساتھ ایمانی جذبات کی حدّت اور حرارت بھی

پائی جاتی تھی۔ ان کی تحریروں اور تقریروں سے مصر کے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں اخوان کی دعوت کے پھیلنے اور عام ہونے میں کافی مدد ملی۔ ان کی طبیعت میں اعتدال، نرمی اور مروّت پائی جاتی تھی، اس لیے وہ غیظ وغضب، اشتعال اور تصادم سے ہمیشہ دور رہے۔ بعض اسباب سے اخوان سے ان کا ضابطہ کا تعلق قائم نہیں رہا، اس کے باوجود انھوں نے دعوت وتبلیغ کا راستہ ترک نہیں کیا، نظام اسلامی کے قیام کے لیے اپنی حد تک کوششیں جاری رکھیں اور ہمیشہ اخوان کی فکر سے متفق اور اس کے رہ نماؤں سے قریب رہے۔ اس کا تذکرہ اخوان کے بعض قائدین نے اپنی یادداشتوں میں کیا ہے۔

انھوں نے اپنے پیچھے بیسیوں وقیع تصانیف اور سیکڑوں مقالات یادگار چھوڑے ہیں۔ انھوں نے تفسیر وحدیث پر بھی لکھا، سیرت وتاریخ پر بھی قلم اٹھایا اور دور حاضر کے فتنوں کا بھی بھرپور تعاقب کیا ہے۔ ان کا پسندیدہ موضوع دعوت اور داعی تھا، اس پر ان کی کئی تصانیف ہیں۔ عورتوں کے مسائل اور ان کے حقوق کے تعلق سے اسلام کی جو تعلیمات ہیں اور ان پر اسلام دشمن طاقتوں اور مغربی ملحدین نے جو اعتراضات کیے ہیں ان پر انھوں نے بہت تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے اور اسلامی تعلیمات کی صداقت اور حقانیت کا عقلی ونقلی دلائل سے اثبات کیا ہے۔ وہ ایک وسیع النظر اور کشادہ قلب عالم دین تھے، اس لیے اسلام کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں خواتین کو جو آزادی اور حقوق دیے جاسکتے تھے ان کی انھوں نے پرزور وکالت کی ہے۔ ان کی تصانیف میں عقیدة المسلم، خلق المسلم، الاسلام المفتریٰ علیه، التعصب والتسامح بین المسیحیة والاسلام، قذائف الحق، نظرات فی القرآن، جدّد حیاتک، المرأة فی الاسلام، الأسرة المسلمة وتحدیات العصر، السنة النبویة بین اهل الفقه واهل الحدیث خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

شیخ محمد الغزالی نے جامعہ ازہر اور وزارت اوقات میں خدمات سرانجام دیں اور مصر سے باہر مختلف عرب ممالک کی جامعات اور کالجز میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ مکہ کی جامعہ ام القریٰ میں بھی استاد رہے اور سعودی عرب کی دیگر جامعات کی

مختلف مجالس میں بطور ممبر شرکت کی۔ قطر کے شریعت کالج کے قیام اور اس کی ترقی میں ان کا بنیادی کردار رہا ہے۔ وہ سات سال تک الجزائر میں مقیم رہے اور وہاں کی معروف یونیورسٹی جامعہ امیر عبدالقادر میں تدریس ورہ نمائی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ الجزائر میں اسلامی بیداری کی جولہر نظر آئی ہے اس میں بلاشبہ الغزالی کا اہم حصہ ہے۔

شیخ غزالی کو آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی سے بے پناہ عقیدت اور محبت تھی۔ اس کا اظہار سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان کی مایہ ناز تالیف 'فقہ السیر ۃ' کے مباحث میں جگہ جگہ ہوا ہے۔ اس کی تالیف کے دوران وہ ہمیشہ باوضو رہتے اور لکھتے ہوئے اکثر اشک بار ہوجاتے تھے۔ ان کی دلی آرزو تھی کہ ان کی آخری آرام گاہ مدینہ منورہ میں ہو۔ ان کی پوری زندگی حتّٰی کہ موت بھی قابل رشک تھی۔ وہ زندگی بھر اللہ کے دین کی خدمت میں مصروف رہے۔ موت آئی تو اس نے بھی انھیں On Duty پایا۔ وہ سعودی عرب کے شہر ریاض میں ایک مذاکرہ میں 'اسلام اور مغربی دنیا' کے موضوع پر اظہار خیال کررہے تھے کہ دل کا شدید دورہ پڑا۔ پھر چند لمحوں میں اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ (شیخ غزالی کے احوال زندگی سے متعلق یہ معلومات مجلہ البعث الاسلامی لکھنؤ، جلد ۴، شمارہ ۵، ماہ نامہ ترجمان القرآن لاہور، مئی ۱۹۹۶ء اور ویکی پیڈیا سے لی گئی ہیں۔)

فقہ السیر ۃ کا اندازِ تالیف

عصر حاضر میں بعض عرب مصنفین نے ایک نئے اور منفرد انداز میں سیرت نگاری کی کوشش کی ہے۔ وہ یہ کہ سیرت نبوی کے اہم اور بڑے واقعات کی مختصر تفصیل پیش کرکے ان سے ماخوذ اور مستنبط دروس واحکام کا اس انداز سے تذکرہ کیا جائے کہ ان کے مطالعہ سے دور حاضر میں زندگی گزارنے کے طور طریق معلوم ہوں اور پیش آمدہ مسائل اور چیلنجز کا حل سامنے آئے۔ چنانچہ عربی زبان میں اس طرح کی کئی کتابیں سامنے آچکی ہیں۔ ان میں ڈاکٹر مصطفی السباعی کی 'السیر ۃ النبویۃ- دروس وعبر' اور ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی کی 'فقہ السیر ۃ النبویۃ' خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ محمد الغزالی کی

'فقہ السیرۃ' بھی اسی انداز تالیف کی ایک بہترین کوشش ہے۔ وہ اپنے اس اچھوتے انداز کا تعارف خود اس طرح پیش کرتے ہیں:

''میں نے قارئین کے سامنے سیرتِ رسول کی سچی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ عہد نبوی میں جو واقعات پیش آئے، میں نے ان کی تفصیل اور توضیح کے ساتھ ان میں پنہاں مواعظ، نصائح اور پُرحکمت دروس و اسباق بیان کیے ہیں۔ پھر میں نے حقائق کا شرح و بسط سے تذکرہ کرنے کے بعد یہ بات قارئین پر چھوڑ دی ہے کہ وہ ان کے اثرات کس طرح اور کتنے قبول کرتے ہیں''۔ (ص ۴، مقدمہ، مقالہ نگار کے پیش نظر کتاب کا دارالکتب الحدیثۃ مصر کا طبع ہفتم ۱۹۷۶ء رہا ہے۔)

یہ ایک حقیقت ہے کہ سیرت نبوی ایک بحر ناپیدا کنار ہے۔ کوئی انسان چاہے کہ اُس کے تمام پہلوؤں، ان کے تمام معانی اور فوائد و برکات کا احاطہ کرلے تو اس میں اسے کبھی کامیابی نہیں مل سکتی۔ البتہ جس بات کی وہ کوشش کرسکتا ہے اور جس میں اسے کامیابی کی توقع ہے وہ یہ کہ سیرت نبوی سے متعلق واقعات کی مدد سے دینی تعلیمات کی روح تک رسائی حاصل کرے اور پھر اسے قارئین کے قلوب و اذہان تک منتقل کرنے کا ہر ممکن طریقہ اور اسلوب اختیار کرے۔

کسی صحیح الفکر اور صحیح العقیدہ مسلم مؤلف کے لیے رسول کریم کی حیات طیبہ سے متعلق واقعات اور احوال میں اپنی طرف سے اضافہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس کے جوہر اور کمال کا اندازہ ان واقعات کے انتخاب، ان کی ترتیب اور ان کے پیش کرنے کے لیے اختیار کردہ اسلوب سے ہوتا ہے۔ اس پہلو سے یہ کتاب محمد الغزالی کے ادب و انشائی، اسلوبِ نگارش، اندازِ فکر و دینی رجحان، مورخانہ بصیرت اور ذوقِ انتخاب کا انتہائی حسین نمونہ ہے۔ اس میں مصنف کے قلم کی طہارت، فکر کی پاکیزگی، دل کا سوز اور دینی شغف بہت ابھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس کی ایک ایک سطر محبت رسول کی خوشبو میں بسی ہوئی ہے اور ایک ایک ورق عقیدت و الفت کے جواہر سے لبریز ہے۔

ماضی اور حال کے سیرت نگاروں کے سامنے سیرت نگاری کے الگ الگ

طریقے اور مقاصد رہے ہیں۔ بعض نے حضور ﷺ کی ذاتی زندگی کے احوال و کوائف کی جمع و ترتیب پر اکتفا کیا ہے اور بعض نے آپؐ کی زندگی کے کسی ایک پہلو کو شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا ہے۔ بعض نے آپ کو ہر پہلو سے 'انسان کامل' کی حیثیت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور بعض نے اپنی کتابوں میں عقیدت، محبت اور شیفتگی کے عناصر کو اس حد تک غالب کر دیا ہے کہ حضور ﷺ مافوق البشر ہستی معلوم ہوتے ہیں، لیکن مجموعی طور سے اکثر و بیش تر کتبِ سیرت میں آپؐ سے متعلق اس حقیقت کو پیش کرنے میں کوتاہی ہوئی ہے کہ آپؐ اللہ کے رسول، مہبط وحی اور حاملِ کتابِ الٰہی ہیں۔ آپؐ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ تھے۔ آپؐ نے اس کے پیغام کو ممکنہ حد تک اللہ کے بندوں کے سامنے پیش کیا، اس پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات دیے اور ایمان لانے والوں کی تربیت کی۔ آپؐ نے یہ تمام کام اللہ تعالیٰ کی راست نگرانی اور اس کی ہدایت اور راہ نمائی میں انجام دیے۔ محمد الغزالی نے اسی پہلو سے اپنی کتاب کے مباحث اور ابواب کو مرتب کیا ہے۔ وہ اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

''قدیم مؤرخین، سیرت رسول کے تذکرہ کے دوران تمام واقعات اور احوال کو، خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے، اسناد کی چھان بین کے بعد بیان کر دیتے ہیں۔ یقیناً ان قدیم مجموعہ ہائے سیرت و تاریخ میں بہت سی اہم اور مفید باتیں مذکور ہیں، لیکن ان سے استشہاد اور ان کے اخذ و تذکرہ میں کمال درجے کی مہارت اور احتیاط مطلوب ہے۔ جب کہ جدید مورخین یا سیرت نگار واقعات و احوال کا تجزیہ، تاویل، موازنہ، مقابلہ اور ان کے سیاق و سباق کے تذکرہ پر زیادہ توجہ دیتے ہیں اور ان ہی گوشوں کو ایک دوسرے سے بہتر بنانے پر قانع ہوتے ہیں..... میں نے ان دونوں طرز ہائے تالیف کو ایک نئے انداز میں جمع کر دیا ہے اور ان دونوں میں جو بہترین اور عمدہ باتیں تھیں، انھیں اختیار کر لیا ہے۔ چنانچہ میں نے کوشش کی ہے کہ سیرت کا مطالعہ قارئین کے ایمان میں اضافہ، ان کے اخلاق و کردار کی بالیدگی کا ذریعہ بنے اور انھیں حق پرستی و حق گوئی اور دعوت و

تبلیغ کے لیے جدّ و جہد کا عادی بنائے۔ میں سیرت اس انداز میں لکھنا چاہتا ہوں جیسے ایک سپاہی اپنے کمانڈر کے بارے میں یا ایک متبع اور فرماں بردار اپنے قائد کے بارے میں، یا ایک طالب علم اپنے استاذ کے بارے میں لکھتا ہے۔ میری حیثیت ایک غیر جانب دار مؤرخ کی نہیں ہے جن کا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہ ہو جن کے بارے میں وہ لکھ رہا ہے۔'' (ص ۴-۵)

خصائصِ کتاب

اولین ماخذ۔قرآن مجید

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ایک مشہور قول کتبِ حدیث میں نقل ہوا ہے کہ جب ان سے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''کان خلقہ القرآن'' یعنی آپ کا اخلاق و کردار تو قرآن ہی سے عبارت تھا۔ دوسرے الفاظ میں قرآن مجید میں جو کچھ وارد ہوا ہے اسے عملی جامہ پہنایا جائے تو وہ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ بن جاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے سے رسول کریم ﷺ کی ذات وصفات، بعثت کے کوائف، دعوتِ دین کے مراحل، ہجرت، جنگوں کے واقعات، مشرکین اور یہود سے اس کے مباحث اور ان کی زندگی کے دیگر اہم گوشوں کی تفصیلات معلوم ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے یہ بات علمی حلقوں میں مسلّم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات پاک یا سیرت کا سب سے اہم ماخذ قرآن مجید ہے۔

شیخ محمد الغزالی نے قرآن مجید کو سیرت کے اولین ماخذ کے طور پر نہ صرف یہ کہ تسلیم کیا ہے، بلکہ اسے عملاً برتا بھی ہے اور اس کی تائید وحمایت میں بہت وضاحت سے اپنی رائے پیش کی ہے۔ لکھتے ہیں:

''بلاشبہ قرآن اسلام کی روح اور اس کا مغز ہے۔ اس کی محکم آیات میں اس کے دستور اور دعوت کے نکات بیان کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ وہ ہستی جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغام کی ترسیل وتبلیغ کے لیے منتخب فرمایا وہ دراصل زندہ قرآن ہے جو لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ قرآن نے جن

اموراوراحکام کو پیش کیا ہے وہ ہستی اس کا عملی نمونہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کا قول، فعل، تقریر، اخلاق، احکام اور آپؐ کی زندگی کے تمام گوشے دین اور شریعت کی اساس اور ماخذ تسلیم کیے گئے ہیں'۔(ص۳۶)

دوسرا ماخذ ۔سنتِ نبوی

سیرت نبوی کا دوسرا ماخذ احادیث صحیحہ اور اولین کتبِ سیرت ہیں ۔محمد الغزالی لکھتے ہیں:

''انبیاء ورسل کی صحبت اوران کی سیرت سے شغف سرتا سر خیر کا موجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت اور آپؐ کا اسوہ، آپ کی لائی ہوئی شریعت اور قانون سیرت کا دوسرا اہم ماخذ ہے۔ سیرت کا پہلا ماخذ وہ کتاب ہے جس کے نزول سے آپؐ کو مشرف کیا گیا تھا۔ یہ پوری طرح محفوظ ہے، لیکن آپؐ سے منقول سنن کے ساتھ بعض ایسے معاملات پیش آئے ہیں جن کے باعث انھیں قبول کرنے میں احتیاط لازم ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف جو کچھ منسوب کیا جاتا ہے وہ جوں کاتوں اور ہو بہو قبول نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر وہ روایت جس کی نسبت آپؐ کی طرف ہو، صحیح ہو۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ اس کے سمجھنے اور نقل کرنے میں بھی پوری صحت ملحوظ رکھی گئی ہو'۔(ص۳۸)

پوری کتاب میں جگہ جگہ احادیثِ کریمہ اور سنت مطہرہ کا حوالہ موجود ہے، لیکن یہ تمام حوالے چھان پھٹک اور بحث وتمحیص کے بعد لیے گئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''میں نے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت لکھنے کا پروگرام بنایا تھا تو یہ پختہ عزم تھا کہ (حوالوں کے باب میں) درست موقف اختیار کروں گا اور قابلِ احترام اور صحت مند مصادر پر اعتماد کروں گا۔ میرا یہ خیال ہے کہ میں اپنے ارادہ میں بڑی حد تک کامیاب رہا ہوں اور میں نے ان آثار وروایات سے بھرپور استفادہ کیا ہے جن سے ایک باخبر اور صاحب نظر فرد مطمئن ہوسکتا ہے'۔(ص۹)

علامہ محمد ناصرالدین الالبانی نے بعد میں شیخ الغزالی کی اس کتاب میں وارد

احادیث کی تخریج کی خدمت انجام دی تو پایا کہ شیخ نے بعض ضعیف احادیث کو قبول کیا ہے اور بعض صحیح احادیث کو ترک کر دیا ہے۔علامہ البانی کی ان تنقیدات کو شیخ غزالی نے اپنی کتاب کے اگلے ایڈیشن میں شامل کرلیا اور ان کا شکریہ ادا کرنے کے بعد حدیث کے بارے میں اپنے موقف کی ایک بار پھر وضاحت کی۔ان کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی حدیث اگر اپنی سند کے اعتبار سے ضعیف ہو،لیکن وہ کتاب الٰہی کی کسی آیت یا کسی صحیح حدیث کے مدلول کے مطابق ہوتو اس سے استناد کیا جاسکتا ہے۔اس کے برعکس اگر کوئی حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ہو،لیکن وہ قرآن کی کسی آیت یا اس کے بیان کردہ کسی اصول سے ٹکراتی ہوتو اس سے استناد نہیں کیا جاسکتا۔(ص ۹-۱۲)

انھوں نے اپنے اس موقف کی وضاحت میں دونوں طرح کی احادیث نقل کی ہیں۔وہ احادیث، جو کتاب وسنت کی عام تعلیمات اور اصولوں سے متصادم تھیں، ان پر کلام کے بعد انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ حدیث کا وزن اور اہمیت کو کم نہیں کررہے ہیں۔حدیث ان کے نزدیک اسلام کا یقینی طور سے دوسرا بنیادی ماخذ ہے۔(ص ۱۲) اس بحث کا خلاصہ وہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

> ''میں نے سیرت نگاری میں اسی موقف کو اختیار کیا ہے۔پس میں نے اس روایت کو قبول کرلیا ہے جس کا متن اسلام کے اصولوں اور احکام کے مطابق تھا، اگرچہ اس کی سند کم زور رہی ہو۔اسی طرح ان صحیح احادیث سے اعراض اور ان کا حوالہ دینے سے احتراز کیا ہے جو میرے فہم کے مطابق دین کی ثابت شدہ تعلیمات اور قوانین سے مطابقت نہیں رکھتی تھیں''۔(۱۳)

اس بات کا امکان تھا کہ شیخ غزالی کے اس موقف سے کوئی شخص ان پر احادیث سے بے اعتنائی یا انکار کا الزام عائد کرتا۔لیکن یہ امکان اس وقت معدوم ہوجاتا ہے جب وہ منکرین حدیث پر کھلی تنقید کرتے ہیں اور مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال کے بعد یہ اعلان کرتے ہیں کہ ''احادیث کی جو دینی، اخلاقی اور تاریخی معنویت اور اہمیت ہے اس کی بنیاد پر ان کا انکار غیر مناسب اور قبیح عمل ہے''۔(ص ۳۸)

انھوں نے سنت رسول اللہ اور احادیث نبویہ سے استفادہ کی کچھ شرطیں بیان کی ہیں، جن میں سرفہرست یہ شرط ہے کہ آدمی قرآن اور اس کے علوم پر گہری نظر رکھتا ہو، کیونکہ قرآن مجید دین کا حقیقی دستور اور اس کی بنیاد ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ آدمی احادیث کی سند کے ساتھ اس کے مدلولات و معانی، دین کی حقیقی روح اور مزاج کا ادراک وفہم اوران سے شناسائی اور واقفیت رکھتا ہو۔ کیونکہ اسی کے بعد موقع ومحل کے اعتبار سے احادیث کا حوالہ دیا جاسکے گا۔ (ص۴۱-۴۳)

دروسِ سیرت کا عصری انطباق

اس کتاب میں یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ سیرت کے واقعات کی روشنی میں مسلمانوں کی موجودہ دینی اور سماجی صورت حال پر تبصرہ کیا جائے اور قابل اصلاح پہلوؤں کی نشان دہی کرتے ہوئے صحیح رویے اور طرز عمل کی طرف موثر رہ نمائی کی جائے۔ شیخ غزالی نے لکھا ہے:

> ''میں جس وقت تحریری کام کررہا ہوتا ہوں میری نگاہوں کے سامنے مسلمانوں کے مختلف شعبہ جات میں ان کی پسپائی اور پس ماندی ہوتی ہے۔ اس لیے اس پر کسی کو کوئی تعجب نہیں کرنا چاہیے اگر میں ایک ایسا اسلوب اختیار کروں جس کے ذریعہ ہمارے موجودہ افسوس ناک مستقبل کی طرف اشارے کیے جائیں۔ چنانچہ میں نے جب بھی کوئی واقعہ بیان کیا ہے، یہ کوشش کی ہے کہ اس میں موجود سچائی، سلامتیٔ فکر اور حرکت وعمل کے عناصر کو ابھار کر پیش کروں، تاکہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی موجودہ پستی اور اضمحلال کا علاج کیا جاسکے''۔ (ص ۵)

وہ اپنے اس ارادہ میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں اس کا اندازہ درج ذیل مثالوں سے ہوسکتا ہے:

(الف) احادیثِ نبوی اور سنتِ رسول سے استناد اور استفادہ کی بحث کے دوران میں انھوں نے بعض دین دار حلقوں کے اُس عمل پر تنقید کی ہے جس کے مطابق وہ دین کی کلی اور مجموعی تصویر کے بجائے اس کے کسی ایک گوشے یا گوشوں کی تصویر پیش

کرتے ہیں۔اسی طرح وہ دین پر عمل آوری کے دوران میں دین کی مجموعی تعلیمات کے بجائے چند ایک پر عمل کو ترجیح دیتے ہیں۔ان کا یہ عمل ان کے نزدیک دین کو محدود کرنے اور قرآن وسنت کی غلط تعبیر کے مترادف ہے۔(ص ۴۳)

(ب) عورت کے پردہ اور گھر سے باہر نکلنے کے بارے میں سخت رائے رکھنے والوں پر انھوں نے شدید نقد کیا ہے اور ایسی کئی احادیث اور واقعات نقل کیے ہیں جن سے عہد نبوی میں میدانِ عمل میں عورتوں کے متحرک ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔اس ضمن میں حدیث بخاری بابت عبداللہ بن ام مکتوم کا رد کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے:

''کیا یہ حدیث ہمیشہ ہماری سوسائٹی پر مسلّط رہے گی۔عورتیں اس کی بنا پر اپنے گھروں میں قید رہیں گی اور ان سے باہر کبھی نہیں نکلیں گی۔اس طرح کی ہدایت قرآن سے ثابت نہیں ہے۔قرآن میں تو یہ سزا ان عورتوں کے لیے بیان کی گئی ہے جو کسی فحش کام کا ارتکاب کر بیٹھیں۔'' (ص ۴۶)

(ج) سیرت کے واقعات سے رسول اللہ ﷺ کی دعوت و جہاد کے لیے تیاریوں اور پھر عملی سرگرمیوں اور ان کے لیے ممکنہ پیش بندیوں کا حوالہ دیتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے:

''ان سب تیاریوں اور پیش بندیوں کے باوجود بعض قبائل عرب آپؐ کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہوگئے۔انھوں نے آپؐ کے بعض منتخب اصحاب کو اپنے یہاں بلانے اور بئر معونہ میں انھیں قتل کرنے کے سنگین جرم کا ارتکاب کرڈالا۔یہ حضرات، جو اس سانحہ میں شہید ہوئے، اللہ کے انتہائی محبوب بندے تھے، لیکن اس کے باوجود اس نے کسی کے لیے یہ موقع فراہم نہیں کیا کہ وہ بغیر پرّ کے فضا میں اڑ جائیں یا اس انجام سے دوچار ہونے سے بچ جائیں جو ان کے لیے مقدر ہوچکا تھا، جیسا کہ آج کے مسلمان سوچتے ہیں۔بلاشبہ تحفظ اور احتیاط، تیاری اور مجاہدہ نبی کریم ﷺ کی سنن متواترہ میں سے ہیں اور انہی کی وجہ سے آپ کو اپنے دشمنوں پر غلبہ اور فتح حاصل ہوئی''۔(ص ۵۱)

(د) مسلمانوں کی بے عملی اور فکری کجی پر مؤلف کتاب کی تنقید کی ایک مثال روضہ رسول ﷺ پر بعض مسلمانوں کا مستقل ازدحام اور وہاں عقیدت کے مختلف غیر مطلوب مظاہر ہیں۔ ان پر ناپسندیدگی کا اظہار انھوں نے کتاب میں کئی مواقع پر کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''میں نے مدینہ منورہ میں روضۂ رسول پر لوگوں کی ایک بھیڑ دیکھی ہے، جو اس کی ہم سائیگی اور وہیں تاحیات قیام کرنے کی آرزومند تھی۔ اگر رسول کریم ﷺ زندہ ہوکر اپنے روضۂ مبارکہ سے باہر تشریف لائیں تو ان کی موجودگی کو ناپسند کریں گے اور ان کی ہم سائیگی پر کبھی آمادہ نہیں ہوں گے۔ ان کی ناقابل التفات شکل وصورت، قلتِ فہم، ضیاعِ وقت اور امورِ مسلمین سے غفلت اور بے توجہی فی الواقع اسلام سے ان کے تعلق کو مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کم زور ثابت کرتی ہے۔ میں نے ایک دن ان میں سے بعض سے کہا: تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟ اس سے تمھیں کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ بلاشبہ وہ لوگ، جو رسالت اور نبوت کے مفہوم اور پیغام سے واقف ہیں اور اس کے دین کی اقامت اور شریعت کے نفاذ کے لیے کوشاں ہیں وہ یہاں سے ہزاروں میل دور رہتے ہوئے بھی تم سے زیادہ حضرت محمد ﷺ کی محبت وعقیدت کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ دراصل روحانی اور عقلی رشتہ اور تعلق ہی وہ واحد کڑی ہے جو حضرت محمد ﷺ اور آپؐ کے امتیوں کے درمیان قائم ہے۔ پس کم زور، پریشان حال اور تھکی ہوئی روحوں اور عقلوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اس ذات گرامی سے اپنے تعلق کا دعویٰ کریں جو عقل وروح کو زندگی دینے اور اسے دینی ودنیوی سعادتوں سے ہم کنار کرنے کے لیے تشریف لائی تھی''۔(۲۲)

رسول اللہ ﷺ کا مقام ومرتبہ

سیرت نگاروں کے سامنے ایک نازک مسئلہ رسول اللہ ﷺ کے مقام ومرتبہ اور آپؐ کی حیثیت کے تذکرہ اور بیان کے وقت پیش آتا ہے۔ آپؐ بشر اور اللہ کے

رسول تھے۔ آپ کا تعارف ان حیثیتوں کو سامنے رکھ کر پیش کرنا ایک انتہائی نازک کام ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے جو عقیدت و محبت ہے اس کے نتیجے میں اکثر اس مقام پر بے اعتدالی، مبالغہ آرائی اور غلو کا امکان رہتا ہے اور عملاً بہت سے سیرت نگاروں کے ساتھ ایسا ہوا ہے۔ انھوں نے اپنا زور معجزات اور خرقِ عادت واقعات کا تذکرہ کرنے پر لگایا ہے، جس سے ان کا مطالعہ کرنے والا حیران اور ششدر ہو کر رہ جائے اور وہ نبی کو مافوق البشر ہستی مان کر آپؐ کی عقیدت اور شیفتگی پر اکتفا کرے اور آپؐ کی اتباع اور اطاعت کی ہمت نہ کر سکے۔ شیخ غزالی نے سیرت کے واقعات کے انتخاب اور تذکرہ میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے اور اس کی پوری کوشش کی ہے کہ سچے موتیوں کے ساتھ خزف ریزے نہ آنے پائیں۔ انھوں نے ہر واقعہ کے ذکر سے پہلے اسے روایت اور درایت کی کسوٹی پر پرکھا ہے اور اگر انھیں کہیں کوئی سقم نظر آیا ہے تو اس پر بے لاگ تبصرہ کیا ہے۔ اس طرح اس کتاب کے مجموعی مطالعہ سے اُس 'انسان کامل' کی سیرت پاک ابھر کر سامنے آتی ہے جس کی اتباع و اطاعت کے لیے حوصلہ اور تحریک ملتی ہے اور وہ ایک دل کش، محبوب اور قابلِ عمل اسوہ قرار پاتی ہے۔

شیخ غزالی معجزات کے منکر نہیں ہیں، البتہ انھوں نے جس بات پر زور دیا ہے وہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ خرقِ عادت واقعات کے اظہار کے لیے نہیں، بلکہ انسانی شخصیت کو مربوط اور متوازن بنانے کے لیے دنیا میں تشریف لائے تھے۔ اس کی بہترین تعبیر اور کامل ترین نمونہ خود آپؐ کی زندگی تھی۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

> ''رسول اللہ ﷺ کی زندگی اس کائنات میں رائج اور نافذ قوانین اور اصولوں کے مطابق بسر ہوئی۔ آپؐ ان قوانین سے ماورا نہیں تھے۔ ایک بشر کی حیثیت سے آپؐ کو بھوک پیاس، مرض و صحت، تکلیف و آرام، غم و خوشی، تکان اور نشاط وغیرہ جیسی بشری کیفیات اور احوال سے گزرنا پڑا۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ آپؐ ایک منفرد اور مخصوص قسم کے انسان تھے۔ عام انسانوں میں بھی کئی درجے اور مرتبے کے لوگ ہوتے ہیں۔ کچھ اپنے اوصاف اور خصوصیات میں دوسروں سے فائق ہوتے ہیں۔